سورۃ البقرۃ

آیت ۶۲

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم، الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۴۰ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲

۲ : ۴۰ : ۱ اللغـــة

[اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا] "اِنَّ" حرف مشبہ بالفعل بمعنی "بے شک یقیناً، تحقیق" ہے مزید چاہیں تو دیکھ لیجیے [۲ : ۵ : ۱]۔ "الَّذِيْنَ" اسم موصول بمعنی "وہ سب جو کہ" ہے۔ مزید وضاحت کے لیے چاہیں تو الفاتحہ : ۷ [۱ : ۶ : ۱ (۱)] دیکھیے۔ "اٰمنوا" کا مادہ "ا م ن" اور وزن اصلی "اَفْعَلُوْا" ہے۔ دراصل "أَ أْمَنُوْا" تھا۔ مہموز کے قاعدہ تخفیف کے ماتحت اس کا "أَ أْ" (= آ) میں بدل گیا۔ یہ اس مادہ سے بابِ افعال

© rasailojaraid.c

کے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد اور خود اس باب (اِفعال) سے فعل "آمن یومن" ایمان لانا) کے معنی و استعمال پر البقرہ: ۳ [۲:۳:۱(۱)] میں بات ہو چکی ہے۔

اس عبارت کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے"۔ "لوگ میں" وہ سب" کا مفہوم موجود ہے۔ بعض نے "ایمان لا چکے ہیں" سے ترجمہ کیا ہے جو عہد رسالت کے حوالے سے بلحاظ زمانہ درست ہے۔ بعض نے "مسلمان ہوئے/ہیں" سے ترجمہ کیا ہے۔ "مسلمان" "مسلم" ہی کی بگڑی ہوئی (اور فارسی ترکی اردو میں مستعمل) صورتِ لفظ ہے۔ لغت اور اصطلاح میں "ایمان" اور "اسلام" دو الگ مفہوم رکھتے ہیں۔ تاہم عام مفہوم میں دونوں ہم معنی شمار ہوتے ہیں۔ بعض نے "الذین آمنوا" کا ترجمہ صرف "مسلمان" اور "ایمان والے" ہیں (بصورت جملہ اسمیہ) کیا ہے جو لفظ سے ہٹ کر ہے۔ اگرچہ بلحاظ مفہوم غلط نہیں ہے۔

۲:۴۰:۱(۱) [وَالَّذِيْنَ هَادُوْا] "وَ" (اور) "الذین" (وہ لوگ جو کہ) ہے۔ یہاں "الذین" کی تکرار کی وجہ سے دوسرے "الذین" کے ترجمہ میں "بھی" لانا بہتر ہے یعنی "وہ بھی جو کہ"۔ اگرچہ اکثر مترجمین نے "الذین" کا ہی دو دفعہ ترجمہ کرنا کافی سمجھا ہے۔

"ھادوا" کا مادہ "ھ و د" اور وزن اصلی "فَعَلُوا" ہے۔ یہ دراصل "ھَوَدُوا" تھا جس میں واو متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر لکھی بولی جاتی ہے (مثل "قالوا") اس مادہ سے فعل مجرد "ھاد یھُودُ ھَوْدًا" (باب نصر سے مثل قال یقول) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی "توبہ کرنا اور حق کی طرف مُڑنا" ہیں۔ عموماً اس کے بعد "اِلیٰ" کا صلہ آتا ہے (جب یہ بتانا ہو کہ توبہ کے لیے کسی کی طرف مڑا) جیسا کہ "اِنَّا ھُدْنَا اِلَیْکَ" (الاعراف: ۱۵۶) میں آیا ہے۔

● اس فعل کے دوسرے مشہور معنی "یہودی ہونا" ہیں۔ اس استعمال کے لیے کسی صلہ کی ضرورت نہیں رہتی اور ان معنوں میں یہ فعل قرآن کریم میں دس جگہ استعمال ہوا ہے۔ اور اسی فعل کا مضارع "یھُود" معرف باللام (الیھُود) ہو کر بمعنیٰ جمع پوری یہودی امت یعنی یہودی مذہب (یہودیت) کے پیروکاروں کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ بھی قرآن مجید میں آٹھ دفعہ آیا ہے۔ اور ایک یہودی کو عربی میں "یھودیٌّ" کہتے ہیں (یہ لفظ بھی قرآن میں ایک دفعہ آیا ہے) اور "الیھود" یعنی جمع والے معنی (یہودیوں) کے لیے لفظ "ھُوْدٌ" بھی قرآن کریم میں تین بار استعمال ہوا ہے جو دراصل اس فعل مجرد "ھاد یھود" سے اسم الفاعل "ھائِد" (ھَاوِدٌ) کی جمع مکسر ہے۔ اور "ھُوْدٌ" ایک پیغمبر کا نام بھی ہے یہ بھی قرآن کریم میں سات جگہ وارد ہوا ہے۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

● اور بعض کے نزدیک فعل "ھاد" دراصل عبرانی لفظ ہے۔ تاہم اب یہ لفظ اور اس کے مشتقات (اسم فعل وغیرہ) اصل عربی کی طرح استعمال ہوتے ہیں۔

اس طرح "والذین ھادو" کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "اور وہ بھی جو یہودی ہوئے"۔ جسے بعض نے صرف "یہودیوں" یا "یہودی" (بمعنی جمع "مسلمان" کی طرح) ترجمہ کر دیا ہے جو بلحاظ مفہوم درست ہے۔

۲ : ۴۰ : ۱ (۲) [وَالنَّصٰرٰی] کی "و" برائے عطف (بمعنی "اور") ہے اور لفظ "النَّصٰرٰی" (برسم املائی) کا مادہ بظاہر "ن ص ر" اور وزن لام تعریف نکال کر "فَعَالٰی" بنتا ہے۔ جو عربی میں جمع مکسر کا ایک وزن ہے جیسے "نَدْمان" (پشیمان مرد/عورت) کی جمع "نَدامیٰ" آتی ہے۔ اس طرح گویا "نصاریٰ" کا واحد "نَصْرانٌ" (مذکر) یا "نَصْرانَۃ" (مؤنث) ہے۔ جس سے مراد حضرت عیسیٰؑ سے منسوب مذہب کا پیروکار (مرد یا عورت) ہے (جسے ہمارے ہاں مسیحی یا عیسائی بھی کہتے ہیں)، مگر عربی میں یہ لفظ ہمیشہ یائے نسبت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں یعنی "نصرانِیٌّ" (مرد) اور "نصرانیۃ" (عورت)۔ "نصران" اور "نصرانۃ" استعمال نہیں ہوتے۔

● دراصل اس لفظ (نصاری) کا عربی مادہ "نصر" سے کوئی لغوی تعلق نہیں ہے۔ اس مادہ (نصر) اور عربی کے بعض اوزان سے اس کی مناسبت محض اتفاقی بات ہے۔ اس لیے ڈکشنری میں یہ اسی مادہ کے تحت بیان ہوتے ہیں۔ اس لفظ (نصاری) کا واحد "نصرانِیٌّ" (بروزن اَعْرابِیٌّ) ہے اور اس کی اصل "الناصرۃ" ہے جو فلسطین کے شمالی علاقہ "جلیل" میں ایک قصبے کا نام ہے (عربی نقشوں میں آپ کو یہی نام نظر آئے گا مگر انگریزی اٹلسوں میں اسے "Nazareth" لکھا جاتا ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن اور ابتدائی عمر کا بیشتر حصہ اسی گاؤں میں گزرا تھا۔ اس لیے ان کے پیروکاروں کو "نصرانی" کہا جانے لگا جسے انگریزی میں Nazarene کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے لقب "المسیح" کی نسبت سے وہ "مسیحی" بھی کہلاتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں یہ لفظ (مسیحیؐ) کسی شکل میں استعمال نہیں ہوا۔ اگرچہ لقب "المسیح" متعدد (۱۱) جگہ آیا ہے۔ لفظ "نصاریٰ" قرآن میں ۱۴ جگہ اور واحد منصوب کلمہ "نصرانِیًّا" صرف ایک جگہ آیا ہے۔

● نزولِ قرآن کے زمانے میں دینِ مسیح کے پیروکاروں کو اہلِ عرب "نصاریٰ" ہی کہتے تھے بلکہ وہ خود بھی "نصاریٰ" کہلاتے تھے جیسا کہ المائدہ : ۱۴ میں آیا ہے : "قالوا اِنّا نصاریٰ"۔ "مسیحی" کا لفظ عرب دنیا میں بھی مغرب سے آنے والے لفظ "کرسچین" (Christian) کے ترجمے کے طور پر رائج ہوا ہے۔ "المسیح" "Christ" کی عربی ہے اور "عیسائی" کا لفظ صرف برصغیر میں رائج ہوا ہے

© rasailojaraid.

یعنی مسیح کے نام "عیسیٰ" کی نسبت سے ۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں نصاریٰ کا ترجمہ بعض نے مسیحی اور عیسائی سے کر دیا ہے کیونکہ برصغیر میں یہی معروف لفظ ہے ۔

۲: ۴۰: ۱ (۳) [وَالصَّابِئِیْنَ] (یہ اس لفظ کا رسم املائی ہے اس کے رسم عثمانی پر آگے بحث "الرسم" میں بات ہوگی)۔ "واو عاطفہ" اور لام تعریف نکال کر لفظ "صابِئِین" نکلتا ہے جس کا مادہ "ص ب ء" اور وزن "فَاعِلِین" ہے ۔ اس مادہ سے فعل مجرد "صبأ یَصْبَأُ صُبُوْءًا" (باب فتح سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں: "باہر نکل آنا" مثلاً کہتے ہیں "صبأ النجم" (ستارہ طلوع ہوا) اور "صبأ نابُ البعیرِ" (اونٹ کا دانت ۔ کچلی ۔ نکل آیا) پھر اس سے اس میں "ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف جانا" کا مفہوم پیدا ہوتا ہے اور پھر اسی سے یہ "ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں: "صبأ الرجلُ" (آدمی نے اپنا مذہب بدل لیا) مکہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مسلمان ہونے والے صحابہ کرامؓ کے لیے یہی فعل استعمال کرتے تھے۔ "مسلمان ہونا" (اسلم یُسلِم) یا "ایمان والا" (امن یؤمن) کا فعل ان کے لیے کافر استعمال نہیں کرتے تھے۔ قرآن کریم میں اس مادہ (صبأ) سے کوئی فعل کہیں استعمال نہیں ہوا بلکہ اس سے مشتق صرف یہی لفظ "صابئین" (بصیغہ جمع الفاعل) معرف باللام شکل میں (مرفوع و منصوب) تین دفعہ آیا ہے۔

● "صابئون" (جس کا واحد فعل مجرد سے اسم الفاعل "صابِئٌ" ہے) اور جس کی جمع مکسر "صابِئَۃ" بھی آتی ہے (اگرچہ قرآن کریم میں صیغہ واحد اور جمع مکسر کہیں استعمال نہیں ہوا) ایک مذہب کے پیروکاروں کو بھی کہا جاتا تھا۔ چونکہ یہ لوگ اپنی مذہبی تعلیمات بہت کم ظاہر کرتے تھے اس لیے اس کی حقیقت کے بارے میں اختلاف ہوا ہے ۔ وہ شاید "ستارہ پرست" بھی تھے اور غالباً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بھی نسبت رکھتے تھے۔ ان کے مذہب کے بارے میں اسی ابہام اور عدم معلومات کی بنا پر اہلِ عرب اور خصوصاً اہلِ مکہ لفظ "صابئ" کو "بے دین یا عجیب و غریب دین والا" کے معنی میں لیتے تھے۔

● قرآن کریم میں "صابئین" کا ذکر تین جگہ آیا ہے جن میں سے دو جگہ (البقرہ: ۶۲ اور المائدہ: ۶۹) تو ان کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ گویا اپنی اصل کے لحاظ سے یہ بھی کبھی (اپنی اصلی شکل میں) ایک دینِ برحق تھا۔ اور یہ بھی کہ صابئین بھی اس زمانے میں یہود و نصاریٰ کی طرح ایک معروف امت تھے۔ تیسری جگہ (الحج: ۱۷) میں ان کا ذکر اہلِ عرب کے لیے معروف مذاہبِ عالم میں سے ایک مذہب کے طور پر ہوا ہے۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

● "صابئین" کے مذہب کی حقیقت کے بارے میں مذکورہ بالا مقامات پر ہمارے مفسرین نے بھی کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ ان کے بارے میں اس قسم کی تفاصیل ہمارے دائرۂ کار سے خارج ہیں۔ تاہم اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے بعض حوالوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً شہرستانی نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں ان کے بارے میں زیادہ لکھا ہے۔ ہمارے زمانے کی جدید کتابوں میں سے عباس محمود العقاد کی کتاب "ابراہیم۔ ابوالانبیاء" میں بھی ان کے بارے میں عمدہ معلومات ملتی ہیں۔ "قاموس القرآن (للقرشی)" میں بعض قابلِ توجہ امور بیان ہوئے ہیں۔

● آج کل اس مذہب کے پیروکار، جو "صابئة" اور "مِندائیین" (واحد "مِندائی") کہلاتے ہیں، ایران کے مغربی حصے میں اور جنوبی عراق کے مشرقی حصے میں یعنی دونوں ملکوں کے سرحدی علاقوں میں دریاؤں کے کنارے پائے جاتے ہیں۔ ان کی مذہبی رسومات میں بہتے دریا کا بڑا دخل ہے۔ ان کی کل آبادی پندرہ ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ ان کے بعض پڑھے لکھے لوگوں نے اپنے "صابی" بچوں کے لیے دینی تعلیمات کے کتابچے بھی لکھے ہیں۔ عراق کے مشہور مجلّہ "المورد" کے عدد [illegible] میں رشدی علیان کا ایک مقالہ "اصحاب الروحانیات أوالصابئة المِندائیّون" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس میں ان لوگوں کے مذہب، اس کی تاریخ، ان کے عقائد و اعمال اور ان کی مخصوص (علیحدہ) دینی زبان کے بارے میں بہت عمدہ معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں اور ان معلومات کے مصادر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ فمن شاء فلیراجعہ۔

● ہمارے مترجمین میں سے بیشتر نے تو "صابئین"، "فرقہ صابئین"، "صابی لوگ" سے ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے "بے دین" اور بعض نے "ستارہ پرست" سے ترجمہ کیا ہے۔ اس کی وجہ اوپر لغوی بحث میں بیان ہوئی ہے۔

[مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ] میں "مَن" موصولہ شرطیہ (بمعنی "جو کوئی بھی") ہے، چاہیں تو مزید وضاحت [۲:۷:۱(۴)] میں دیکھ لیجئے۔ "آمن" کے مادہ، باب فعل اور معانی پر البقرہ: ۳ [۲:۲:۱(۱)] میں بات ہو چکی ہے۔ "باللّٰہ" کی "ب" تو فعل "آمن" کا صلہ ہے۔ اس طرح اس عبارت کا ترجمہ بنتا ہے "جو کوئی بھی ایمان لایا اللہ پر" مگر "مَنْ" کے شرطیہ ہونے کی وجہ سے فعل مستقبل میں بھی ترجمہ ہو سکتا ہے یعنی "ایمان لاتے یا لائے گا" کی صورت میں۔

[وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ] اس پوری ترکیب (وَ + الیوم + الآخر) کے کلمات پر البقرہ: ۸ [۲:۷:۱(۵)] میں بات ہو چکی ہے ویسے "وَ" کے لیے الفاتحہ: ۵ [۱:۴:۱(۳)] اور "الیوم" کے لیے الفاتحہ: ۴ [۱:۳:۱(۲)] اور کلمہ "الآخر" کے لیے البقرہ: ۴ [۲:۳:۱(۵)] کی طرف رجوع کر سکتے ہیں ترجمہ بنتا ہے "اور

© rasailojaraid
© rasailojaraid

آخری دن پر" (ایمان لائے)، جسے "پچھلے دن" آخرت اور قیامت" سے بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ مفہوم سب کا ایک ہی بنتا ہے۔ تاہم بعض ترجمہ اصل الفاظ سے ہٹ کر ہے مثلاً "قیامت" سے ترجمہ کرنا۔

[وَعَمِلَ صَالِحًا] "وَ" عاطفہ ہے اور "عَمِلَ" کے مادہ، وزن باب فَعِلَ اور معنی وغیرہ البقرہ:۲۵ [۲:۱۸:۱(۲)] میں اور "صالحًا" کے مادہ وزن وغیرہ کی بحث البقرہ:۱۱ [۲:۹:۱(۶)] میں نیز البقرہ: ۲۵ [۲:۱۸:۱(۳)] میں دیکھئے۔ اس جملے کا ترجمہ بنتا ہے" اور اس نے کام کیا اچھا" جس کی بامحاورہ صورتیں" کام کیے نیک، اچھے کام کرتے رہے، اچھے کام کیے، نیک کام کرتے رہے، عمل نیک کرے گا، نیک عمل کرے" اختیار کی گئی ہیں بصیغہ جمع ترجمہ کرنے کی وجہ "مَنْ" ہے جو لفظاً واحد مگر بلحاظ معنی جمع ہے۔ اور کہیں ماضی کہیں مستقبل یا مضارع سے ترجمہ کی وجہ "مَن" میں شرط کا مفہوم یا اصل مستعمل فعل (ماضی) کا لحاظ ہے۔

[فَلَهُمْ] جو "فَ" (پس، تو پھر) + "لِ" (کے لئے) + "هم" (ان) کا مرکب ہے یہ تمام کلمات کئی دفعہ گزر چکے ہیں۔ ترجمہ ہے "پس ان کے لیے ہے" جسے بعض نے معنیِ شرط کے جواب ہونے کی بنا پر "تو ان کے لئے" ترجمہ کیا ہے اور بعض نے "هُمْ" کا ترجمہ بھی اسی جوابِ شرط والے مفہوم کی بنا پر" ایسوں کے لیے، ایسے لوگوں کو" سے کیا ہے یعنی "جن کی صفات اوپر بیان ہوئی ہیں وہ لوگ" اور "لَهُمْ" کا ترجمہ "ان کو، ان کا" بھی ہو سکتا ہے۔

۲:۴۰:۱(۴) [اَجْرُهُمْ] میں آخری ضمیر مجرور "هم" بمعنی "ان کا / کی" ہے اور کلمہ "اَجْرٌ" کا (جو یہاں بوجہ اضافت خفیف آیا ہے) کا مادہ "ا ج ر" اور وزن "فَعْلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد زیادہ تر باب نصر سے اور کبھی ضرب سے (أَجَرَ يأجِرُ أجْرًا) آتا ہے اور اس کے متعدد معنی ہوتے ہیں: مثلاً

① "اجر یا بدلہ یا ثواب دینا" کہتے ہیں: "أَجَرَهُ اللّٰهُ" (على ما فعل) یعنی اللہ نے اس کو اجر (ثواب) دیا (اس پر جو اس نے کیا)

② "کرایہ پر دینا اور کرایہ پر لینا" مثلاً کہتے ہیں: أَجَرَ الدارَ فلانًا ای "أَكْرَاهُ" یعنی "اس نے فلاں کو گھر کرایہ پر دیا" اور "أَجَرَ الدارَ من فلانٍ" ای "اِكْتَرَاهُ" یعنی "اس نے فلاں سے گھر کرایہ پر لیا" اور اسی معنی کے لیے یہ فعل بابِ افعال سے بھی آتا ہے یعنی "أَجَرَ الدارَ إيجارًا" "اس نے گھر کرایہ پر لیا"۔

③ "کسی کے لیے اجرت پر کام کرنا" مثلاً کہتے ہیں: "أَجَرَ العاملُ صاحبَ العملِ" یعنی مزدور

© rasailojaraid.com

(عامل) نے کام والے (صاحب العمل) کا کام اجرت پر کرنا منظور کر لیا یعنی وہ اس کا "اجیر" بن گیا۔ اور اسی معنی کے لیے باب مفاعلہ سے فعل "آجر یؤاجِر مؤاجَرۃ" (اجرت پر رکھنا۔ اجیر بنالینا) بھی استعمال ہوتا ہے اور باب اِفعال سے "آجر یُؤجِر اِیجارًا" "اجرت پر کام کرنا یا اجیر بننا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا معانی کے علاوہ یہ فعل مجرد بعض دیگر معانی (مثلاً ہڈی کا غلط جڑنا یا جوڑنا وغیرہ) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

● تاہم قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے صرف ایک ہی صیغۂ فعل "تأجُرَ(نی)" صرف ایک جگہ (القصص: ۲۷) آیا ہے اور وہ بھی مذکورہ بالا صرف تیسرے معنی (۳) یعنی "کسی کے لیے اجرت پر کام کرنا" کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔ مزید فیہ میں سے صرف باب استفعال کے دو صیغے قرآن کریم (القصص: ۲۶) میں آئے ہیں۔ ان تین صیغوں کے علاوہ اس مادہ سے قرآن میں کوئی اور فعل استعمال نہیں ہوا۔

● زیر مطالعہ لفظ "اَجر" اسی مادہ سے فعل مجرد کا مصدر (بمعنی "اجرت دینا") بھی ہے اور بمعنی اسم المفعول (جو چیز بطور اجر یا اجرت دی جائے) بھی استعمال ہوتا ہے۔ جو "اجر" دے وہ "آجر" ہے اور جس کو اجر دیا جائے وہ "مأجور" کہلاتا ہے اور جو چیز بطور اجرت دی جائے اسے "ماجور بہٖ" کہتے ہیں اسی لیے عربی میں کہتے ہیں "اَجَرَہ بکذا" (اس نے اسے فلاں شے اجر میں دی) اور لفظ "اجر" (ماجور بہٖ ہونے کے لحاظ سے) متعدد معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً ثواب، اجر (یہ دونوں لفظ اردو میں بھی مستعمل ہیں) اور زیادہ تر "نیک عمل کی جزاء، نیکی کا پھل، نیک کام کا اجر" کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں لفظ "اجر" ان معنی کے علاوہ مطلقاً اجرت، عوض، (عورت کا حق) مہر اور حق کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ بعض اہلِ لغت (مثلاً صاحب القاموس) نے "ثواب" اور "اجر" میں یہ باریک فرق بیان کیا ہے کہ "ثواب" صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے جب کہ "اجر" بندوں کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے گویا ہر "ثواب" اجر ہے مگر ہر اجر ثواب نہیں ہوتا۔

لفظ "اجر" (واحد جمع مفرد مرکب مختلف صورتوں میں) قرآن کریم کے اندر ۱۰۵ جگہ آیا ہے۔ زیر مطالعہ عبارت میں اس کا موزوں ترجمہ "ثواب، مزدوری، حق الخدمت، اجر اور صلہ" کی صورت میں ہوسکتا ہے اور کیا گیا ہے۔

[عِنْدَ رَبِّهِمْ] جو "عِنْدَ" (ظرف بمعنی کے پاس، کے ہاں) + "رَبّ" (رب پروردگار) +

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"ھِمْ" (ان کا) سے مرکب ہے یعنی "ان کے رب کے پاس / کے ہاں"

[وَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ] اس پوری عبارت (جو دو جملوں پر مشتمل ہے) کے الگ الگ اجزاء کی لغوی وضاحت اور مجموعی ترجمہ پر البقرہ: ۳۸ [۲:۲۷:۱(۱۰-۱۱)] میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

● یہاں "ولاخوفٌ علیھم" کا ترجمہ "نہیں ان پر ڈر، نہ ان کو ڈر ہے، نہیں ان پر کچھ خوف، اور کسی طرح کا خوف ان پر نہیں، ان پر خوف نہ ہوگا، نہ ان کو کچھ اندیشہ ہوگا، نہ ان کو کچھ ڈر ہے / ہوگا، نہ کسی طرح کا خوف ہوگا، نہ کوئی اندیشہ ان کے لیے ہوگا" کی صورت میں کیا گیا ہے۔ "خوف" کے نکرہ ہونے کی وجہ سے "کچھ یا کوئی" سے ترجمہ زیادہ بہتر ہے۔ ڈر، خوف، اندیشہ سب ہم معنی ہیں۔ البتہ "کسی طرح کا" سے ترجمہ محلِ نظر ہے کیونکہ یہاں "خوفٌ" مرفوع ہے، لائے نفی جنس کے بعد نہیں آیا۔ اگر "لاخوفَ" ہوتا تو "کسی طرح کا" والا ترجمہ درست ہوتا۔ "ولاھم یحزنون" کے تراجم "اور نہ وہ غم کھائیں گے، نہ وہ غمگین ہوں گے، نہ ہی وہ مغموم ہوں گے، نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے، نہ وہ غمناک ہوں گے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے" کی صورت میں کیے گئے ہیں۔ تمام الفاظ ہم معنی ہیں۔ البتہ اس میں بعض حضرات نے "ولا" کی تکرار سے پیدا ہونے والے مفہوم کو واضح نہیں کیا۔ اس پورے حصہ عبارت پر مزید بات آگے "الاعراب" میں آئے گی۔

۲:۴۰:۲ الاعراب

زیرِ مطالعہ آیت یوں تو ایک ہی بڑا جملہ ہے جس کے بعض حصے شرط اور جواب شرط ہو کر اور بعض بذریعہ واو عاطفہ باہم مربوط ہیں۔ اس کے الگ الگ اجزاء کی ترکیب نحوی کی تفصیل یوں ہے:

① ان الذین آمنوا والذین ھادو والنصرٰی والصابئین (عبارت برسم املائی لکھی گئی ہے) [اِنَّ] حرف مشبہ بالفعل اور [الذین] اسم موصول اس "اِنَّ" کا اسم ہونے کے باعث یہاں منصوب ہے مگر مبنی ہے لہٰذا علامتِ نصب ظاہر نہیں ہے۔ [آمنوا] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعلین "ھم" جملہ فعلیہ ہو کر "الذین" کا صلہ ہے اور دراصل تو صلہ موصول مل کر "اِن" کا اسم بنتا ہے (بعض نحویوں کے نزدیک "صلہ" کا الگ کوئی اعراب نہیں ہوتا)۔ [والذین] کی واو عاطفہ ہے اور اس کے ذریعے اس "الذین" (موصول) کا سابقہ "الذین" پر عطف ہے یعنی یہ دوسرا "الذین" بھی محلاً منصوب ہے۔ [ھادوا] فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر غائب مع ضمیر الفاعلین "ھم" جملہ فعلیہ بن کر اس دوسرے "الذین" کا صلہ ہے اور یہ صلہ موصول "الذین"

© rasailojaraid.

© rasailojaraid.

آمنوا" پر عطف ہو کر اسم "إنّ" میں شامل ہو جاتا ہے۔ [والنصاریٰ] میں "النصاریٰ" بھی بذریعہ واو العطف اسم "إنّ" پر عطف ہے اس طرح یہ بھی منصوب ہے مگر اسم مقصور ہونے کے باعث علامتِ نصب ظاہر نہیں ہے [والصابئین] میں بھی "الصابئین" بذریعہ واو العطف اسم "إنّ" پر عطف ہو کر حالتِ نصب میں ہے اور اس کی علامتِ نصب آخری نون سے پہلے والی "یاءِ ماقبل مکسور" (ـِ ی) ہے۔ یہاں تک کی ساری عبارت (الذین ..... الصابئین) ابتدائی "إنّ" کا اسم ہے یعنی یہ مکمل جملہ نہیں بنا۔ اس کی خبر آگے آرہی ہے یعنی اس عبارت کا اگلی عبارت کے ساتھ معنوی اور اعرابی تعلق ہے۔

(۲) من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً:

اس حصۂ آیت کی نحوی ترکیب یا اعرابی بحث دو طرح ممکن ہے۔

[الف] پہلی صورت یہ ہے کہ [مَنْ] اسم موصول کو بمعنی "الذی" لے کر "إنّ" کے اسم (مندرجہ بالا جملہ ۱) کا بدل قرار دیا جائے اور یہ "بدل البعض من الکلّ" ہو گا۔ (یعنی مندرجہ بالا لوگوں میں سے ایسے لوگ جو) [آمن] فعل ماضی مع ضمیر الفاعل "ھو" جملہ فعلیہ بن کر اسم موصول (مَنْ) کا صلہ ہے۔ بلکہ یہاں سے صلہ کی ابتداء ہوتی ہے اور یہاں ایک ضمیر عائد محذوف ہے یعنی یہ "مَنْ آمن مِنھم" (جو ایمان لایا ان میں سے) ہے [باللہ] جار مجرور (بِ + اللہ) مل کر متعلق فعل "آمن" ہے [والیوم الآخر] میں واو عاطفہ اور "الیوم" موصوف اور "الآخر" صفت ہے اور یہ مرکب توصیفی (الیوم الآخر) "باللہ" پر بذریعہ "واو" عطف ہے اور اسی لیے (مجرور پر عطف ہونے کے باعث) خود بھی مجرور ہے گویا یہ عبارت دراصل "باللہ وبالیوم الآخر" ہے اس کے بعد اگلی [وَ] بھی عاطفہ ہے جس کے ذریعے اگلا فعل (عمل) سابقہ فعل (آمن) پر عطف ہے یعنی "آمن وعمِلَ" [عمل] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعل "ھو" ہے اور [صالحاً] توصفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے یعنی "عملاً صالحاً" اور یہ محذوف (عَمَلاً) فعل "عمِل" کا مفعول بہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کا مفعول مطلق بھی۔ اور اس (صالحاً) کی نصب کی وجہ یہی ہے۔ اس ترکیب کے مطابق یہ عبارت (من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً) سابقہ عبارت یعنی "الذین آمنوا..... الصابئین" (۱ مندرجہ بالا) کا ہی ایک حصہ ہے یعنی یہ سب "إنّ" کا اسم ہی ہے۔ "ان لوگوں کو کیا ہو گا؟" یہ ابھی بیان نہیں کیا گیا یعنی اس کی جزا ابھی بیان نہیں ہوئی وہ آگے (جملہ ۳) میں آرہی ہے (فلھم..... میں)، [ب] دوسری اعرابی صورت یہ بن سکتی ہے کہ [مَنْ] کو اسم شرط سمجھ کر اور

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

اسمائے موصولہ اور اسمائے استفہام ہی اسمائے شرط بنتے ہیں) مبتدا (لہٰذا) مرفوع قرار دیا جائے۔ اس طرح اس کا ترجمہ "جو کوئی بھی" ہوگا اور "آمن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحاً" (جس کے کلمات کی الگ الگ اعرابی کیفیت اوپر (الف میں) بیان ہو چکی ہے) کو اس "مَن" شرطیہ کی خبر سمجھا جائے۔ تو یہاں تک کی عبارت جملہ شرطیہ کا پہلا حصہ (جس میں بیانِ شرط ہے) مکمل ہوتا ہے۔ اور اس سے اگلی عبارت (فلھم اجرھم.... جو آگے ۲:۳ میں آرہی ہے) اس کا جوابِ شرط ہے اور شرط و جوابِ شرط پر مشتمل یہ سارا جملہ شرطیہ (من آمن.... اجرھم) سابقہ جملہ (۱:۲) کے "اِنَّ" کی خبر بنتا ہے (اِنَّ کا اسم اوپر (۱:۲ و ۲:۲ الف میں) آگیا ہے۔ اس میں "مَن" شرطیہ کی وجہ سے فعل ماضی (آمن، عمل) کا ترجمہ مستقبل میں ہونا چاہیے تاہم بلحاظ مضمون چونکہ یہاں سابقہ امتوں کا ذکر ہے اس لیے ترجمہ فعل ماضی کے ساتھ (جس کسی نے ... کیا) بھی جائز ہے اور دونوں طرح کیا گیا ہے۔

(۳) فلھم اجرھم عند ربھم:

اس میں [فَ] مندرجہ بالا پہلی ترکیب (الف) کے مطابق زائدہ ہے جسے بعض دفعہ فائے فصیحہ بھی کہتے ہیں اور یہ وہ "فاء" ہوتی ہے جو کسی مبتدا کی خبر پر خصوصاً "الذی" کے بعد والی عبارت پر آتی ہے یا "اِنَّ" کی خبر پر بھی آتی ہے جیسے کہیں "الذی یأتی فلہ دِرھمٌ" (جو آئے گا اسے درہم ملے گا) قرآن کریم میں ایک مثال "ان الموت الذی تفرّون منہ فانہ ملٰقیکم" (الجمعہ: ۸) ہے یعنی "بے شک موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تو تم سے ملنے والی ہے" مندرجہ بالا دوسری ترکیب (ب) کے لحاظ سے یہ فاء "ف" جوابِ شرط پر آنے والی "فاء" (حرف ربط) ہے [لھم] جار مجرور (ل + ھم) مل کر خبر (یا قائم مقام خبر) مقدم ہے اور [اجرھم] مضاف (اجر) مضاف الیہ (ھم) مل کر مبتدا مؤخر ہے (خبر جار مجرور یا ظرف ہو تو مبتدا مؤخر آتا ہے) گویا دراصل عبارت تھی "فأجرھم لھم"۔ اس میں "فلھم" کی تقدیم (پہلے کر دینے) سے اس میں حصر کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے جسے اردو ترجمہ میں "پس ان ہی کے لیے ہوگا" سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ جیسے بعض مترجمین نے "ایسے لوگوں، ایسوں کے لیے" سے ظاہر کیا ہے۔ [عندَ ربھم] میں "عِندَ" ظرف مضاف لہٰذا منصوب ہے اور "ربھم" مرکب اضافی ("رب" مضاف اور "ھم" مضاف الیہ) "عندَ" کا مضاف الیہ ہے اسی لیے "ربِّ" مجرور ہے جو آگے مضاف ہونے کے باعث خفیف بھی ہے اور یہ حصہ عبارت (عند ربھم) متعلق خبر ہے اور یوں یہ پوری عبارت "فلھم اجرھم عند ربھم" ایک جملہ اسمیہ ہے جو مندرجہ بالا پہلی ترکیب (۲:۲ الف) کے لحاظ سے "اِنَّ" (جس سے آیت شروع ہوئی تھی) کی

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

خبر اور گویا محلاً مرفوع ہے (خبرِ "اِنّ" مرفوع ہوتی ہے) اور دوسری ترکیب (۲ب) کے لحاظ سے یہ جملہ (فلھم اجرھم عند ربھم) "مَنْ" شرطیہ سے شروع ہونے والے جملے (من آمن باللّٰہ والیوم الاخر وعمل صالحاً) کا جوابِ شرط ہے اور پھر یہ پورا جملہ شرطیہ (شرط مع جواب شرط یعنی مَنْ آمن .... عند ربھم) "اِنَّ" کی خبر بنتا ہے گویا یہ پورا جملہ (من آمن .... عند ربھم) محلاً مرفوع ہے ترکیب نحوی کے اس فرق سے اردو ترجمہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ سوائے اس کے کہ پہلی ترکیب کے مطابق "مَن" کا ترجمہ "ان میں سے جو بھی" اور دوسری ترکیب کے لحاظ سے مطلقاً عموم کے ساتھ یعنی "جو کوئی بھی کہ" سے ہوگا۔

④ ولاخوف علیھم ولا ھم یحزنون:

[وَ] عاطفہ ہے جس کے ذریعے آنے والے جملے کا سابقہ جملے (۳۔ فلھم ....) پر عطف ہے۔ [لا] نافیہ مشابہۃ بلیس (یعنی بمعنی لیس) ہے۔ اس طرح [خوفٌ] اسم "لیس" (لہٰذا) مرفوع ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس "خوف" کو مبتدأ سمجھ لیں کیونکہ نفی کے بعد مبتدأ نکرہ آسکتا ہے۔

[علیھم] جار مجرور (علی + ھم) مل کر "لا" (بمعنی "لیس") کی خبر ہے لہٰذا یہ محلاً منصوب ہے (لَیْسَ کی خبر منصوب بھی آتی ہے اور "بِ" زائدہ لگ کر مجرور بھی)۔ یا اسے (علیھم کو) مبتدأ (خوف) کی خبر (لہٰذا) محلاً مرفوع بھی کہہ سکتے ہیں۔

[وَ] عاطفہ ہے اور اس کے بعد کا [لا] بمعنیٰ لیس بھی ہوسکتا ہے اور اگلے فعل "یحزنون" کی نفی کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ "وَ" کے ساتھ "لا" کی اس تکرار سے اس "وَلَا" کا ترجمہ "اور نہ ہی" ہوگا [ھم] ضمیر مرفوع منفصل مبتدأ ہے اور [یحزنون] فعل مضارع مع ضمیر الفاعلین "ھم" جملہ فعلیہ بن کر "ھم" (مبتدأ) کی خبر بنتا ہے گویا دراصل عبارت تھی "وھم لایحزنون" (وہ غم نہیں کریں گے) مگر "ولا" کی تقدیم سے اور "لا" کی تکرار کی وجہ سے ترجمہ ہوگا "اور نہ ہی وہ غم کریں گے"۔ اور اگر اس دوسرے "لا" کو بھی مشابھۃ بلیس سمجھیں تو "ھم" اس کا اسم مرفوع اور "یحزنون" بمعنی "حازنین" ہو کر اس کی خبر (محلاً منصوب) بھی ہوسکتی ہے۔ دونوں صورتوں میں "لا" کی تکرار ترجمہ میں "اور نہ ہی" کی متقاضی ہے تاہم اردو کے اکثر مترجمین نے اس "ہی" کے بغیر صرف دو دفعہ "نہ" اصل عبارت کی طرح لگا کر ہی ترجمہ کر دیا ہے۔

اس عبارت (لاخوف .... یحزنون) پر اعرابی بحث البقرہ: ۳۸ یعنی ۲:۲۷:۲ کے آخر پر بھی گزر چکی ہے۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

۲:۴۰:۳ الرسم

زیرِ مطالعہ آیت میں سے صرف دو کلمات کا رسمِ قرآنی (عثمانی) عام رسمِ املائی سے بالکل مختلف ہے یعنی "النصاری" اور "الصابئین" کا۔ اور ایک تیسرے لفظ "صالحًا" کا رسم مختلف فیہ ہے یہاں اور گزشتہ (لغۃ اور اعراب کی) بحث میں کئی جگہ محض سمجھانے کے لیے ان تینوں کلمات کو عام رسمِ املائی کے مطابق ہی لکھا گیا ہے، لہٰذا ان کے رسم عثمانی کی بحث پر توجہ کی ضرورت ہے۔

(۱) "النصاری": یہ لفظ رسمِ عثمانی کے لحاظ سے بالاتفاق بحذف الالف بعد الصاد لکھا جاتا ہے یعنی بصورت "النصری"۔ یہ لفظ یہاں اور ہر جگہ (اور یہ قرآن کریم میں کل ۱۴ جگہ آیا ہے) اسی طرح بحذف الف "النصری" ہی لکھا جاتا ہے۔ ایرانی اور ترکی مصاحف میں اسے برسمِ املائی لکھنے کی غلطی عام ہے برصغیر میں یہ غلطی نسبتاً کم ہے۔

(۲) "الصابئین": یہ لفظ عثمانی (قرآنی) رسم الخط کے مطابق بالاتفاق صاد کے بعد الف کے حذف اور "ب" اور "ء" کے (دندانوں) کے درمیان ہمزہ کے لیے نبرہ یعنی دندانہ کے بغیر یعنی بصورت "الصبین" ہی لکھا جاتا ہے۔ یہ لفظ (جو قرآن کریم میں کل تین جگہ۔ دو جگہ منصوب اور ایک جگہ مرفوع آیا ہے) مصاحف عثمانی میں بصورت "الصبں" اور "الصبون" [مصحف عثمانی میں نہ نقاط (اعجام) تھے نہ حرکات (ضبط)]۔ نقاط لگانے کے بعد یہ لفظ "الصبین" اور "الصبون" لکھے جانے لگے۔ ہم پہلے البقرہ:۱۴ [۲:۱۱:۳ (۴)] میں "مُسْتَهْزِءُوْن" کے ضمن میں، بتا چکے ہیں کہ ہمزۂ قطع کی علامت بعد میں وضع کی گئی۔ بعض قراءات (مثلاً قالون اور ورش) میں یہ لفظ بغیر ہمزہ کے ہی پڑھا جاتا ہے یعنی "صابین" اور "صابون" کی طرح اور جو ہمزہ پڑھتے ہیں وہ بھی کتابت میں ہمزہ کے لیے نبرہ (دندانہ) لگانا جائز نہیں سمجھتے (عام املا میں ایسے موقع پر ہمزہ کو یاء کے نبرہ (دندانہ) پر یا اس کے نیچے لکھا جاتا ہے) کیونکہ اس طرح رسمِ عثمانی پر ایک دندانہ کا اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے جن قراءتوں (مثلاً حفص اور الدوری) میں ہمزہ پڑھا (اور لہٰذا) لکھا جاتا ہے وہ اس ہمزۂ قطع کی علامت کو (جو ء، ہ، ٤ یا ٥ (گول زرد نقطہ) ہوتی ہے) "ب" اور "ی" (اور بصورت رفع "ب" اور "و" کے درمیان (بغیر دندانے کے) لکھتے ہیں۔ اس طرح یہ لفظ "الصّٰبِءِيْنَ" اور "الصّٰبِءُوْنَ" لکھا جاتا ہے۔ اور قراءت ورش و قالون والے مصاحف میں ان کو بصورت "الصّٰبِيْنَ" اور "الصّٰبُوْنَ" ہی لکھا اور پڑھا جاتا ہے جو ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ اسے "صَبَأَ يَصْبَأُ" مہموز سے لیتے ہیں جس پر "اللغۃ" میں بات ہو چکی ہے اور جو اسے ہمزہ کے بغیر پڑھتے ہیں وہ اسے "صَبَا يَصْبُوْ" ناقص واوی سے لیتے

© rasailojaraid.com

ہیں جس کے معنی مڑ جانا ہیں اس پر مزید بات یوسف: ۳۲ میں ہوگی۔ مزید بحث کے لیے مندرجہ بالا حوالہ یعنی ۲: ۱۱: ۳ کی طرف رجوع کیجئے[۱]۔ ایرانی اور ترکی مصاحف میں اس لفظ کو بھی رسم املائی کے مطابق لکھنے کی غلطی عام ہے۔

(۳) "صالحًا" کے رسم الخط میں الدانی اور ابوداؤد میں اختلاف ہے۔ الدانی کے مطابق لفظ صالح یا صالحًا (مرفوع مجرور یا منصوب) جب مشہور پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام (جو قوم ثمود کی طرف بھیجے گئے تھے) کے لیے آئے تو بحذف الف بعد الصاد یعنی بصورت "صٰلح یا صٰلحًا" لکھا جائے گا۔ اور جب عام اسم الفاعل (بمعنی "نیک ، اچھا") آئے تو اسے باثبات الف یعنی بصورت "صالح یا صالحًا" لکھا جائے گا (یعنی الدانی کے مطابق مصاحف عثمانی میں اسے اس طرح لکھا گیا تھا) مگر ابوداؤد کے مطابق یہ لفظ بطور عَلَم (نام) آئے یا بطور صفت ہر صورت میں بحذف الف بعد الصاد لکھا جائے گا۔ قرآن کریم یہ لفظ بطور علم (حضرت صالح ؑ کے نام کے طور پر) دس جگہ آیا ہے ان سب مقامات پر بالاتفاق بحذف الف (صٰلح ، صٰلحا) لکھا جاتا ہے۔ اور بطور صفت یہ لفظ قریبًا ۳۴ جگہ آیا ہے۔ مذکورہ اختلاف کی بنا پر عرب اور عام افریقی ممالک کے مصاحف میں۔ ابوداؤد سے منسوب قول کے مطابق بحذف الف (صٰلح / صٰلحا) ہی لکھا جاتا ہے مگر لیبیا اور برصغیر کے مصاحف میں ان (۳۴) مقامات پر اسے باثباتِ الف (صالح۔ صالحًا) ہی لکھا جاتا ہے[۲]

۴:۴۰:۲ الضبط

زیر مطالعہ آیت کے کلمات میں ضبط کا تنوع کسی حد تک درج ذیل نمونوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ "النصرى، الصبین اور الاخر" کا طریقِ ضبط غور طلب ہے۔

إِنَّ ، إِنَّ ، إِنَّ / الَّذِينَ ، الَّذِينَ ، الَّذِينَ ، الَّذِينَ / اٰمَنُوا ، ءَامَنُوا ، ءَامَنُوا / وَالَّذِينَ (مثل سابق) / هَادُوا ، هٰادُوا ، هَـادُوا ، هَادُوا / وَالنَّصٰرٰى ، النَّصٰرٰى ، النَّصَٰرَىٰ / وَالصّٰبِـــٕيْنَ ،

---

[۱] نیز دیکھئے سمیر الطالبین ص ۳۴ اور نشر المرجان ج ۱ ص ۱۵۶ نیز اتحاف فضل البشر ج ۱ ص ۳۹۶۔

[۲] دیکھئے المقنع ص ۲۱۔ سمیر الطالبین ص ۵۰ نیز نشر المرجان ج ۱ ص ۱۵۶۔

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c